تاریخِ انسانی کی دو انقلابی ہجرتیں

ڈاکٹر احمد سجاد - رانچی یونیورسٹی

یوں تو لفظی طور پر ہجرت کے معنی نقل مکانی کے ہیں، مگر حقیقی معنوں میں کسی اہم ترین دینی مقصد یا نصب العین کے تحفظ و بقا اور غلبہ کی خاطر افراد و اقوام کو اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا پڑے تو اسے ہم "ہجرت" سے تعبیر کریں گے۔ بے مقصد یا محض روزی اور روٹی کے لیے تو آئے دن خاندان کے خاندان ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں منتقل ہوتے ہی رہتے ہیں، مگر اُسے "ہجرت" قرار دینا دراصل اس عظیم اصطلاح کا منہ چڑانا ہے۔

انسانی تاریخ کی دو ہجرتیں عجیب و غریب ہوئی ہیں، جن کا تذکرہ عام تاریخوں کے علاوہ قرآن پاک اور صحیفۂ سموئیل میں بھی ہوا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ایک ہجرت تین لاکھ[1] افراد کے ساتھ اور دوسری ہجرت صرف دو افراد[2] کے ساتھ ہوئی۔ پہلی ہجرت اللہ کی نگاہ میں مردود قرار پائی، مگر دوسری محبوب و

[1] تدبر قرآن - مولانا امین احسن اصلاحی - جلد اوّل ص ۵۱۹

[2] واضح ہو کہ مکہ میں تیرہ برسوں کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں گنتی کے جو چند افراد مسلمان ہوئے تھے۔ وہ مسلسل ظلم و ستم کا شکار ہوتے رہے تو انہیں عام ہجرت کا حکم دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

ایک نے اللہ کے غیظ و غضب کو بھڑکایا مگر دوسری نے اس کے دریائے رحمت میں جوش و خروش پیدا کر دیا۔ اب ان دونوں ہجرتوں کا حال آپ قرآن ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمالیں۔

(۱)

"کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے بھاگ کھڑے ہوئے تو اللہ نے اُن کو کہا کہ جاؤ مر جاؤ"[1]

(البقرہ - ۲۴۳)

اس واقعہ سے صدیوں بعد دو بے پناہ افراد وطن سے بے وطن ہوتے ہیں تو قرآن کس محبت سے ان کا حال قلم بند کرتا ہے۔

"تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ اُس کی مدد اُس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اُسے نکال دیا تھا۔ جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت اللہ نے اُس پر اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور اُس کی مدد ایسے

---

[1] الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم الوف حذر الموت فقال لھم موتوا۔

نوٹ از مدیر:- اس بحث کے ابتدائی حصے میں دو الگ الگ واقعات اس طرح ملے جلے بیان ہوئے ہیں کہ ایک عام قاری کو مغالطہ ہو سکتا ہے۔ آیت "الوف" (۲۴۳) میں جس ہجرت یا ترک مقام کا ذکر ہے وہ مصر سے بنی اسرائیل کے واقعۂ خروج سے بالکل الگ ہے۔ مصر سے تو وہ لاکھوں کی تعداد میں نکلے تھے۔ یہاں کی منتی ہجرت ہزاروں تک محدود ہے۔ عنوان پڑھ کر یہی توقع ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت پر بات ہوگی کہ وہاں سے نکل کر انہوں نے [illegible] بعد میں بحث اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے، اور کافروں کا بول نیچا کر دیا۔ (سورہ براۃ ۔ ۴۰)[1]

پہلی ہجرت کا تعلق بنی اسرائیل کے واقعہ خروج[2] سے ہے جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کے علاوہ سورۃ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی پیش کر دی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے جب اللہ تعالیٰ کے ایما سے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ ظالم کنعانیوں کو ارضِ فلسطین سے نکال کر علاقے کو فتح کر لیں اور وہاں آباد ہو جائیں، تو انہوں نے انتہائی بزدلی، انحراف اور پست ہمتی کا ثبوت دیا۔ طرح طرح کے بہانے کرنے لگے۔ آخرکار اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑکا اور اس نے فیصلہ کر دیا کہ اب یوشع اور کالب کے سوا اس قوم کے بالغ مردوں میں سے کوئی بھی اس سرزمین میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ یہ قوم چالیس برس ملک بے خانماں پھرتی رہے گی یہاں تک کہ جب ان میں سے ۲۰ برس سے لے کر اوپر کی عمر تک کے سب مرد مر جائیں گے اور نئی نسل جوان ہو کر اٹھے گی تب انہیں فلسطین فتح کرنے کا موقع نصیب ہوگا۔ چنانچہ اس فیصلہ خداوندی کے مطابق بنی اسرائیل کو دشتِ فاراں سے مشرق اردن تک پہنچتے پہنچتے پورے ۳۸ برس لگ گئے۔ اس دوران میں وہ سب مر کھپ گئے جو جوانی کی عمر میں مصر سے نکلے تھے۔[3]

اوپر کی جس آیت (البقرہ ۔ ۲۴۳) کا حوالہ دیا گیا ہے اس کا تعلق بنی اسرائیل کی تاریخ کے اس دور سے ہے جس کا ذکر صحیفہ سموئیل میں ہے۔ سموئیل نبی کے ظہور سے ابتدائی دور میں بنی اسرائیل سخت انتشار میں مبتلا تھے۔ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے یہ اس وقت تین لاکھ سے زیادہ[4] تھے۔ لیکن شرک، بدعات، بزدلی، بدعقیدگی، بخل، غرور، تکبر، ناشکری اور جہاد سے جی چرانے کی بیماری میں مبتلا تھے۔ جن کے نتیجے میں جن فلسطینیوں پر انہیں حاکم ہونا چاہیے تھا، ان سے الٹے یہ خود مرعوب اور مفتوح رہے۔ ان ظالم کنعانیوں نے ان یہودیوں کا قتلِ عام کیا۔ ان سے خدا کا وہ متبرک صندوق[5] چھین کر لے گئے جس کی حیثیت ان کے

---

[1] إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ ..... هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔

[2] حضرت مسیحؑ سے تقریباً ایک ہزار سال قبل

[3] تفہیم القرآن ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ ۔ جلد اوّل ص ۴۶۱ ۔ ۱۸۲ ۔

[4] تدبر قرآن ۔ جلد اوّل ۔ ۲۰ ۔ ۵۱۹ ۔

[5] بنی اسرائیل اصطلاحاً اسے "عہد کا صندوق" بھی کہتے تھے۔ اس میں آلِ موسیٰؑ اور (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہاں بالکل قبلہ کی تھی۔ جس کو وہ اپنی تمام عبادات اور تمام مہمات میں آگے آگے رکھتے تھے، ان کے ڈر سے بنی اسرائیل نے اپنے عقرون سے لے کر جات تک کے سارے شہر خالی کر دیے تھے۔ خوف و بزدلی کی یہ موت ان پر بیس برس طاری رہی۔ اس دور کی تفصیلات صحیفۂ سموئیل میں موجود ہے۔

" اور وہاں نہایت بڑی خونریزی ہوئی۔ کیونکہ تیس ہزار اسرائیلی پیادے وہاں کھیت آئے، اور خدا کا صندوق چھن گیا۔" (سموئیل باب ۴ ۱۱)

" ..... تیرے دونوں بیٹے حفنی اور فینحاس بھی مر گئے اور خدا کا صندوق چھن گیا۔
جب اس نے خدا کے صندوق کا ذکر کیا تو وہ کرسی پر سے پچھاڑ کھا کر پھاٹک کے کنارے گرا۔
اور اس کی گردن ٹوٹ گئی ...... اور کہنے لگی اور حشمت[1] اسرائیل جاتی رہی۔"

(سموئیل باب ۴ - ۱۷ - ۲۲)

اس کے بعد سموئیل نبی نے ان کے اندر اصلاح و تجدید کا کام شروع کیا۔ ان کو شرک و بدعت سے توبہ کرنے اور اپنے انتشار کو دور کر کے از سر نو منظم و متحد ہونے کی دعوت دی مگر اس دعوت کے دوران اس بگڑی ہوئی یہودی قوم نے اپنے آس پاس کی غلام قوموں کی طرح ایک بادشاہ کے تقرر کی بھی حضرت سموئیل سے فرمائش کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) آل ہارون کے تبرکات، پتھر کی وہ تختیاں جو طور سینا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو دی تھیں، ان کے علاوہ تورات کا وہ اصل نسخہ بھی اس میں تھا جسے حضرت موسیٰؑ نے خود لکھوا کر بنی لاوی کے سپرد کیا تھا۔ نیز ایک بوتل میں من بھی بھر کر اس میں رکھ دیا گیا تھا تاکہ آئندہ نسلیں اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کریں جو صحرا میں اس نے ان کے باپ دادا کو کیا تھا۔ اور غالباً حضرت موسیٰؑ کا وہ عصا بھی اس کے اندر تھا جو خدا کے عظیم الشان معجزات کا مظہر بنا تھا۔

(تفہیم القرآن۔ جلد اول - ۹۰ - ۱۸۹)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ وغیرہ کے عہد میں ان کی حشمت و شوکت پوری تاریخ میں مثالی رہی۔

" لوگوں نے سموئیل کی بات نہ سنی اور کہنے لگے نہیں ، ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر ہو تاکہ ہم بھی اور قوموں کی مانند ہوں اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہماری طرف سے لڑائی کرے .... خداوند نے سموئیل کو فرمایا تو اُن کی بات مان لے اور اُن کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر۔" سموئیل - باب ۸

مگر اس تقرر کے بعد بھی یہودیوں کی نفسانیت نہ گئی - اب قرآن کے الفاظ میں ان کا حال سنیے!

" اُن کے نبیؑ نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے "۔ یہ سُن کر وہ بولے: " ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہو گیا - اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں - وہ تو کوئی بڑا مال دار آدمی نہیں ہے " نبیؑ نے جواب دیا کہ " اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی و جسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے "[1]۔

آخر وقت کے نبی کے سمجھانے بجھانے اور یہ بشارت سنانے پر یہودی راضی ہوئے کہ طالوت[2] ہی کے ہاتھوں وہ متبرک صندوق واپس لائے گا ، تمہیں دوبارہ سکونِ قلب اور عزت نصیب ہو گی - دورانِ سفر طالوت نے بھی اپنی قوم کی اصلاح و تربیت کی مسلسل کوششیں کیں مگر لمبے چوڑے دعووں کے باوجود اس بزدل اور نافرمان قوم کے ایک بڑے طبقے نے عین اس وقت جب کہ جالوت جیسے دشمن کا سامنا تھا ، جہاد کرنے سے انکار کر دیا -

" انہوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ

---

[1] وقال لهم نبيهم ان الله ...... والله واسع عليم (البقرہ - ۲۴۷)

[2] البقرہ - ۲۴۷

[3] بائبل میں اُن کا نام ساؤل لکھا ہے - " یہ قبیلہ بن یمین کا ایک نیس سالہ نوجوان تھا " بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے -

(تفہیم القرآن جلد اوّل - ۱۸۹)

کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ (البقرہ - ۲۴۹)

آخر کار قلیل التعداد مومنین صالحین اور سموئیل نبی کی دعائیں رنگ لائیں۔ جنگ شروع ہی ہونے والی تھی کہ ایک نہایت بے باک اور بہادر نوجوان چرواہا شریک جہاد ہو کر جالوت کو قتل کر دیتا ہے۔ چنانچہ خوش ہو کر طالوت اپنی لڑکی کی شادی اس نوجوان سے کر دیتے ہیں۔ تاریخ اس نوجوان چرواہے کو آگے چل کر حضرت داؤد کے نام سے یاد کرتی ہے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت سلیمان کے عہد میں یہودیوں کو جو عروج نصیب ہوا اس کی نظیر پچھلی تاریخوں میں کہیں نہیں ملتی۔ اس طرح عرصہ تک بزدلی، نافرمانی اور انتشار کے نتیجے میں لاکھوں کی تعداد کے باوجود بنی اسرائیل برسہا برس دربدر کی ٹھوکریں کھا کھا کر ذلیل وخوار ہوتے رہے۔ اسی صورتِ حال کو قرآن پاک نے "جادۂ مرجاؤ" سے تعبیر کیا ہے۔ مگر راہِ راست پر آنے کے بعد جب انہیں دوبارہ عزت نصیب ہوئی تو اسے ان کی زندگی سے تعبیر کیا۔

"پھر اللہ نے ان کو زندہ کیا - اللہ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکرگذار نہیں ہوتے"[۲]

اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے اسباب ذلت کا جائزہ لینا آسان ہے جن کی بنا پر:۔

"بیس برس گذرے اور اسرائیل کا سارا گھرانا خداوند کے پیچھے نوحہ کرتا رہا۔"

(سموئیل باب - ۲)

یہودیوں پر عذاب وعتاب اور اس ہجرت اخلوہ کی نامقبولیت کے جملہ اسباب کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

اولاً انفرادی کمزوریاں اور دوم اجتماعی خرابیاں۔

ان دونوں میں گو کوئی اساسی فرق نہیں کیونکہ ان کے درمیان باہم اینٹ اور دیوار کا سا تعلق ہے۔ اس

---

[۱] قالوا لا طاقة لنا اليوم بجالوت وجنوده

[۲] ثم احياهم ان الله لذو فضل على الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون

(البقرہ - ۲۴۳)

کے باوجود پورے قرآن پاک کو جانے دیجیے فی الحال سورۂ بقرہ کی صرف دس آیتوں ۲۴۳ تا ۲۵۲ ہی پر غور کیجیے تو انفرادی کمزوریوں میں ان کی بزدلی، بخل، نفاق، وعدہ خلافی، کبر اور بے صبری پر اللہ تعالیٰ نے انتہائی سخت الفاظ میں تبصرہ کیا ہے۔ نیز اجتماعی خرابیوں میں تقریباً پوری قوم کا جہاد سے جی چرانا، سود خواری کی لعنت میں گرفتار ہونا، امراء کی دغا بازی، دولت پر بے جا گھمنڈ اور شرک و بدعت میں مبتلا ہونے کی بیماری نے انہیں کہیں کا نہ رکھا۔ جالوت اور فلسطینیوں کے ظلم کے ہاتھوں عجب بے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے تھے۔ اس وقت بھی ان کی مذکورہ بالا اخلاقی بیماریوں کا سلسلہ جاری تھا، ان کے نبیؑ ان کی مسلسل اصلاح کرتے رہے مگر وہ بمشکل باز آئے۔

"سموئیل نے اسرائیل کے سارے گھرانے سے کہا کہ اگر تم اپنے سارے دل سے خداوند کی طرف رجوع کرتے ہو تو اجنبی دیوتاؤں اور عستارات کو اپنے بیچ سے دور کرو اور خداوند کے لیے اپنے دلوں کو مستعد کر کے فقط اسی کی عبادت کرو اور وہ فلستیوں کے ہاتھ سے تمہیں رہائی دے گا"[۱] (سموئیل باب ۲-۶)

جالوت سے جہاد کا موقع ہو یا مالی ایثار و قربانی کا، ندی کا پانی پینے سے روک کر امتحان کا موقع ہو یا توحید و رسالت پر صدق دل سے ایمان لانے کا یہودیوں کی اکثریت ہمیشہ منافقت، نافرمانی اور سرکشی میں مبتلا رہی، جب جب کسی قلیل تعداد نے بھی اپنی اصلاح کر لی تب تب ان کے نبیوں کی دعاؤں اور فضلِ ربی سے ان پر کا عذاب ٹلا اور وہ کامیاب و کامران ہوئے۔ یہی جالوت پر فتح کے وقت ہوا۔

"......کتنی چھوٹی جماعتیں رہی ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں"[۲]

تین لاکھ افراد کی اس ناکام ہجرت کے بالکل برعکس محض چند افراد کی انتہائی کامیاب ہجرت کا واقعہ بھی قرآنی تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔ یہ واقعہ نسبتاً زیادہ تفصیل و توضیح کے ساتھ محفوظ ہے، اس لیے یہاں صرف چند اشارات پر اکتفا کیا جائے گا۔

۱؎ توم مانتھ ۲؎ مذہب قرآن ص ۵۲۱

۳؎ کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصّٰبرين۔ (البقرہ ۲: ۲۴۹)

(۲)

مذکورہ بالا بڑی ہجرت کے مقابلہ میں محمد رسول اللہ کی یہ "چھوٹی" سی ہجرت انسانی تاریخ کا سب سے اہم ترین واقعہ بن چکی ہے۔ یہ ہجرت اللہ کے رسولؐ اور اُن کے یارِ غار حضرت ابوبکرؓ کے سالِ نبوت کے تیرھویں سال ۸ ربیع الاوّل (۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) کو واقعہ ہوئی اور جس کی توصیف خود قرآن پاک ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"بیشک اللہ ہی اُس کا رفیق ہے اور جبرائیل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔"[۱]

اُس وقت تک رسول اللہ کی پاک وصاف زندگی اور عظمت کردار کے باوجود محض مٹھی بھر صالح افراد آپؐ کا ساتھ دے سکے تھے۔ مگر جو بھی تھے سیرت و کردار کے اعتبار سے مسلّم و مستحکم تھے۔ ان چند افراد میں بیشتر نوجوان، عورتیں، بچے، بوڑھے، غلام اور غریب افراد تھے، مگر ان بے نواؤں کے خلاف پورا عرب اُٹھ کھڑا ہوا۔ مخالفت کا طوفان برپا ہوا۔ ظلم، تحریص، دھمکی اور الزام تراشی کے سارے حربے آزمائے گئے۔ قلبی، روحانی اور جسمانی اذیتوں کی جتنی قسمیں تھیں، ان سب کو اُن کی جانِ ناتواں پر آزمایا گیا۔ شعبِ ابی طالب میں برسہا برس دانے دانے کو ترسایا گیا۔ طائف کی گلیوں میں آوارہ غنڈوں کے ذریعے لہولہان کر دیا گیا۔ عقبہ نے حالتِ نماز میں آپؐ پر اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت ڈال دی۔ عقبہ بن ابی معیط نے چادر گردن میں کس کر گرا دیا تو حضرت ابوبکرؓ رو رو کر یہ کہتے جاتے تھے۔ اور ان کی گردن کو چھڑاتے جاتے کہ:

"اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ؟"

(کیا ایک شخص کو صرف اس لیے مار ڈالو گے کہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟)

یہ تمام مصائب صرف اس جرم کی پاداش میں تھے کہ آپ کا اعلان یہ تھا کہ:

"خدا ایک ہے اور میں اُس کا پیغمبر ہوں۔ اور جن کی دعوت یہ تھی کہ کہہ دو کہ "آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیز حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور والدین کا

---

[۱] فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملائکۃ بعد ذٰلک ظھیر۔
(تحریم - ۴)

حق خدمت بجا لاؤ اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور اُن کو دونوں کو روزی دیں گے۔ فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ۔ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے۔ ناحق ہلاک نہ کرو۔

(انعام - ۱۹۷)

"اے لوگو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو تو کامیاب رہو گے اور عرب قوم کے حاکم بن جاؤ گے اور اس کلمہ کے سبب عجم کے لوگ تمہارے تابع بن جائیں گے۔ اور جب تم ایمان لاؤ گے تو جنت میں بادشاہ بن جاؤ گے"

(زاد المعاد - ص ۱۹۶)

یہ اور اس طرح کی عمدہ تعلیمات کے باوجود اللہ کے آخری رسولؐ اور اُن کے گنے چنے ساتھیوں پر ظلم و بہیمیت کے تمام ہتھکنڈے آزمائے گئے، مگر ان میں سے کسی نے کبھی یہودیوں کی طرح اپنے نبیؐ سے یہ نہیں کہا کہ:-

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (مائدہ - ۴)

(تم مع اپنے خدا کے جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھے رہیں گے)

بلکہ اس کے برعکس مکہ کے حالات مسلمانوں کے لیے جب ناقابل برداشت ہو گئے تو اللہ کے رسولؐ نے انہیں گھر بار چھوڑ کر محض رضائے الٰہی اور تحفظ ایمان کی خاطر ہجرت حبشہ[1] کا حکم دے دیا۔ بالآخر امر ربی کے مطابق جب خود بھی ہجرت کی تیاری شروع کر دی تو اُن کے رفیق (حضرت ابو بکرؓ) ہاتے بصد شوق فوراً ہی دریافت کیا کہ "کیا میں ساتھ رہوں گا؟" اور حضورؐ نے سفر ہجرت کی رفاقت کا اعزاز انہیں عطا کر دیا۔ اسی طرح نوعمر حضرت علیؓ کے عشق خدا و رسولؐ کا یہ حال تھا کہ جان کی بازی لگا کر حضورؐ کے بستر پہ سو رہے کیونکہ وقت کے رسولؐ کو قتل کر دینے کی اسکیم مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس حال میں فرشتوں کی مدد سے قاتلوں کے مقرر کردہ پہرہ داروں کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے دونوں ساتھی آرام سے نکل گئے۔

[1] پہلی بار ۱۱ مرد اور ۴ عورتوں نے رجب ۴۵ عام الفیل (۵ سنہ بعد بعثت) میں اور دوسری بار ۴۶ عام الفیل یا ۱۵ ولادت (۶ سنہ بعد بعثت) کو ۸۰ سے زائد مرد اور ۱۸ - ۱۹ عورتوں کو ہجرت حبشہ کی اجازت دے دی۔

قرآن کا بیان اس صداقت کی تائید ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"اور ہم نے اُن کے سامنے اور پیچھے آڑ کر دی اور اُن پر غشی طاری کر دی جس سے وہ دیکھ نہ سکے۔" (یٰس - ۹)

بنی اسرائیلیوں کی غلامانہ ذہنیت، بخل و بزدلی اور شرک و سرکشی کے بجائے جان نثاران اسلام نے انتہائی ایثار، جرات مندی، خدا ترسی اور صبر و استقامت کا ہر ہر قدم پر مظاہرہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ ہجرت سے قبل نہایت خوشحال تاجر تھے۔ مگر مظلوم مسلمانوں کی مدد میں ہزاروں درہم خرچ کے باوجود ہجرت کے وقت بھی چھ ہزار درہم کے ساتھ نکلے۔ حضرت صہیب رومیؓ ہجرت کرنے لگے تو کفار مکہ نے ان کی زندگی بھر کی کمائی رکھوالی اور وہ خالی ہاتھ کوچ کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان الفاظ میں ستائش کی۔

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی رضامندیوں کو حاصل کرنے کے لیے اپنے نفس کو بیچ دیتے ہیں، اور اللہ ایسے بندوں پر مہربان ہے"۔

حضرت ابوسلمہؓ کو تو اپنی بیوی اور بچے کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت نہ ملی۔ ایک بوڑھے مہاجر نے درازیٔ عمر اور خرابیٔ صحت کے باوجود ہجرت کی تو مکہ اور مدینہ کے درمیان دس روزہ انتہائی صبر آزما سفر کے اثنائے راہ ہی میں ان کی جان لے لی۔ اور قرآن نے گواہی دی کہ:۔

"جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں بہت زیادہ فارغ البالی اور کشادگی پائے گا۔ اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی غرض سے نکلے پھر اسے موت پالے تو اس کا اجر اللہ پر واقع ہو جاتا ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے"۔

الغرض رسول اللہؐ کی صحبت نے مہاجرین کو انتہائی جری، جاں نثار اور مادی اغراض سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا۔ آج جس مادیت اور شکم پرستی کو ہر عمل کا محرک ثابت کیا جاتا ہے وہ ان مہاجرینؓ کو چھو بھی نہیں گئی تھی۔

مہاجرین کی طرح انصار نے بھی کلمہ کی بنیاد پر اپنی ایسی تربیت کر لی تھی کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہجرت سے برسوں قبل انتہائی صبر آزما حالات میں بھی رسول اللہؐ نے موسم حج میں ایک سال عقبہ کے پاس یثرب کے چھ انصاریوں کو مشرف بہ اسلام کیا اور اسی مقام پر دوسرے

سال مزید کئی افراد کو دولتِ اسلام سے مالا مال کیا۔ مگر قبول اسلام کے وقت انصاریوں نے جس ولولہ خیز انداز میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا وہ آج بھی ایمان افروز ہیں۔ وہ لوگ بیعت کے لئے کھڑے ہوئے تو اسعد بن زرارہؓ نے جو اُن میں سب سے چھوٹی عمر کے تھے۔ آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے قبیلے کو بنی اسرائیلیوں کے بالکل برعکس للکار کر یہ کہا:۔

"اہل یثرب ٹھہرو۔ ہم آپ کے پاس اونٹوں پر سوار ہو کر یہ جاننے کے بعد آئے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور آج آپؐ کو نکالنے کے معنی پورے عرب کی دشمنی اور اپنے خلاف تلواروں کی دعوت دینا ہے۔ اس لئے اگر تم اس ذمہ داری پر جم سکتے ہو تو آپ کو لے چلو، اللہ تمہیں اجر دے گا۔ اور اگر تمہیں اپنی جان کا خوف ہو تو پھر آپؐ کو چھوڑ دو۔ آپؐ اللہ کے یہاں تمہیں معذور قرار دیں گے۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ ہم اس بیعت کو چھوڑ نہیں سکتے۔ نہ ہی اس سے چھٹکارا ڈھونڈنے کی سوچ سکتے ہیں۔

(زاد المعاد ص ۱۹۹)

اور پھر ان جانثاروں نے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کو روحِ عصر کی طرح جاری و ساری کر دیا۔ چنانچہ انہیں حضورؐ کی ہجرت کی خبر ملی تو چار دنوں تک شہر سے نکل کر صحرا میں گھنٹوں انتظار کرتے دھوپ کی شدت بہت بڑھ جاتی تو اپنے گھروں کو واپس جاتے۔ جیسے ہی انہیں خبر ملی کہ حضورؐ بس آپہنچے تو بعض قبائل کے سرفروشوں نے قبا سے مدینہ تک ہتھیار سے سج کر آپؐ کا دورویہ کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا:۔

"حضورؐ! یہ گھر ہے۔ یہ مال ہے، یہ جان ہے"

(سیرت النبی۔ ج ۱۔ ص ۲۷۰)

جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور استقبالیہ گیت گانے لگیں۔

"چاند نکل آیا ہے
کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔

جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں [1]

معصوم لڑکیاں دف بجا کر گاتیں۔

ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔

محمدؐ کیا اچھے ہمسائے ہیں [2]

حضرت ابو ایوب کے عشق رسول کا یہ حال تھا کہ اپنے مکان کی نچلی منزل حضورؐ کی پسند کے مطابق پیش کی۔ آپؐ کی خدمت میں دو وقت کھانا بھیجتے اور آپؐ جو چھوڑ دیتے وہی میاں بیوی کے حصے میں آتا۔ ایک دن اتفاق سے بالائی منزل پہ پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ اندیشہ ہوا کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور حضورؐ کو تکلیف ہو۔ گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا۔ حضرت ابو ایوب نے اس کو پھیلے ہوئے پانی پر ڈال دیا تاکہ پانی جذب ہو جائے [3] آپؐ سات ماہ تک وہاں مہمان رہے۔

بعد میں مہاجرین اور انصار کے درمیان آپؐ نے مواخاہ قائم کر دی تو انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ سعد بن الربیع جو عبدالرحمٰن بن عوف کے بھائی قرار پائے ان کی دو بیویاں تھیں۔ عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجئے لیکن انہوں نے اظہار تشکر کے ساتھ انکار کیا۔

مہاجر تجارت پیشہ تھے اور انصار باغبان و کاشتکار۔ چنانچہ کھیتی کی نصف پیداوار بخوشی اپنے مہاجر بھائی کو دے دیتے۔ یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا۔ کوئی انصار مرتا تو اس کی جائیداد اور مال مہاجر کو ملتا تھا اور حقیقی غیر مسلم بھائی بند محروم [4] رہتے۔ یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی۔

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ

---

[1] طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعیٰ للّٰہ داع

[2] نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا محمد من جار

[3] سیرت النبی جلد اول ص ۲۶۹ [4] ایضاً ص ۲۸۵

لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور اُن کی مدد کی، یہ باہم دگر بھائی بھائی ہیں۔
(انفال - ۱۰)

یہ سلسلہ جنگِ بدر تک جاری رہا اور جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت آئی۔

"ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں" (انفال - ۱۰)

"رشتہ داروں میں بعض بعض کے زیادہ مستحق ہیں" (احزاب - ۶)

چنانچہ علامہ شبلیؒ رقمطراز ہیں کہ:-

"انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دُنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے انصار کو بُلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی کہ "پہلے ہمارے بھائی مہاجرین کو اتنی ہی زمین عنایت فرما دیجیے، تب ہم لینا منظور کریں گے"۔[1]

حضرت ابو طلحہ انصاریؓ نے حضورؐ کے اشارے پر ایک بھوکے کو جب خود بھوکا رہ کر کھانا کھلا دیا تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اس واقعہ کی تحسین یوں کی ہے:-

"اور گو اُن کو خود تنگی ہو، تاہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں"۔ (حشر - ۱۱)

ایثار و قربانی کا یہ معاملہ محض انفرادی سلوک تک محدود نہ تھا بلکہ ہجرت کے فوراً ہی بعد سورۂ حج کے ذریعہ ظالموں کے خلاف حکم جہاد و قتال نازل ہوا[2] تو پوری یثربی برادری فتح مکہ تک حضورؐ کے ساتھ مسلسل غزوات، سرایا اور دوسرے طریقوں سے جان و مال کی قربانیاں پیش کرتی رہی۔ یہاں تک کہ یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر سامنے آیا اور پھر اسلامی انقلاب سے پورے عرب کی کایا پلٹ گئی۔

حضورؐ نے مدینہ پہنچ کر قرآنی ہدایات کی روشنی میں بالخصوص تین باتوں پر اپنی توجہ مرکوز کر دی اور جسے انصار و مہاجرین نے بھی پوری اہمیت دی:-

۱- قرآن و سنت کی روشنی میں اہل ایمان کے فکر و عمل کا ایک خاص نہج بنا کر اُن کو باہم منظم و مربوط

---

[1] سیرۃ النبی جلد اول ص ۲۹۱

[2] أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ۔

کر دیا۔

۲۔ مسلمانوں میں کامل درجے کی اخوت و مساوات پیدا کردی۔

۳۔ آیاتِ جہاد وغیرہ کی روشنی میں منصوبہ بند دفاعی اور تربیتی نظام قائم کرنے کے بعد دیگر دشمنوں کو زیر کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ خلافتِ اسلامیہ کی بنیادیں مستحکم کر دیں۔ اور اقامتِ دین اور نفاذِ شریعت نیز اجرائے حدود اللہ کے لیے ایک مکمل سیاسی و اخلاقی نظام مرتب کر دیا۔ اس طرح پوری ملت اسلامیہ کو قرآنی صبر و شکر کا عادی بنا دیا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد عفو و درگذر کا یہ حال تھا کہ ابوسفیان اور ہندہ جگر خوار تک کو معاف کر دیا۔ حد تو یہ ہے کہ آپؐ کے مکان پر عقیل بن ابی طالب نے ہجرت کے معاً بعد جو ناجائز قبضہ کر لیا تھا، اُس کو بھی خالی نہ کرایا، بلکہ علی حالہٖ رہنے دیا۔ اس مثالی نمونے کی تقلید بعد میں دوسرے مہاجرین نے بھی کی کہ اپنے آبائی مکانوں پر دشمنوں کا قبضہ باقی رکھا۔ اور یوں دشمنوں کا دل جیت کر انہیں اپنا دوست بنا لیا۔ اور اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کر لی۔

گویا یہ بظاہر معمولی سی ہجرت نہ صرف مدینہ و مکہ ہی کی فتح کی بنیاد نہیں بنی۔ بلکہ قرآن و سنت کی بنیاد پر آگے چل کر اس وقت کی معلوم دنیا کی فتح کا سنگِ میل بن گئی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری قوموں کے برعکس حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت علیؓ اور دوسرے اجل صحابہؓ کے مشورہ سے اپنا کیلنڈر نہ حضورؐ کے یوم پیدائش سے شروع کیا، نہ فتح مکہ سے، نہ فتح ایران و روم سے بلکہ واقعۂ ہجرت سے شروع کیا۔ حالانکہ اقوام کی مثالیں دوسری طرح کی تھیں۔ البیرونی نے لکھا ہے کہ:۔

"قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیانِ حکومت و مذاہب کی پیدائش، بادشاہوں کی تخت نشینی، انبیاء کی بعثت، ملکوں کی فتح و تسخیر، سلطنت کے انقلاب و انتقال اور حوادثِ عظیمۂ ارضیہ سے تواریخ و سنین کی ابتدا کیا کرتے ہیں۔" (آثار الباقیہ ص ۲ - بیرونی)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کی دوسری قوموں کے برعکس مسلمانوں نے فتح و اقبال کے بجائے بے چارگی و درماندگی کے واقعہ سے اپنی تاریخ شروع کی۔ بلاشبہ اُن کا یہ نقطۂ نظر دنیا کی ساری قوموں سے مختلف تھا، لیکن اُس حکمت و بصیرت کے عین مطابق تھا، جو اسلام کی تربیت نے اُن کے اندر پیدا کر دی تھی۔ وہ اپنی اجتماعی

بحوالہ مضامین الہلال - مولانا ابوالکلام آزاد ص ۲۱۳

زندگی کی تعمیر فوجوں کی تقلید سے نہیں، بلکہ اسلام کی رُوح فکر و عمل سے کرنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دوسری ہجرت پہلی کے مقابلے میں نفری تعداد اور زمانی طوالت کے اعتبار سے بہت کم ہونے کے باوجود پوری انسانی تاریخ میں عبرت و عظمت اور موعظت میں اپنی مثال آپ ہے۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد

"یہ دُنیا کی تمام قومی یادگاروں کی طرح قوت کی کامرانیوں کی یادگار نہیں ہے بلکہ کمزوری کی فتحمندیوں کی یادگار ہے۔ یہ اسباب و وسائل کی فراوانیوں کی یادگار نہیں ہے۔ بے سروسامانیوں کی کامیابیوں کی یادگار ہے۔ یہ طاقت اور حکومت کے جاہ و جلال کی یادگار نہیں ہے۔ محکومی و بے چارگی کے ثبات و استقلال کی یادگار ہے۔ یہ فتح مکہ کی یادگار نہیں ہے جسے دس ہزار تلواروں کی چمک نے فتح کیا تھا۔ یہ فتح مدینہ کی یادگار ہے، جسے تلواروں کی چمک نے نہیں بلکہ ایک آوارۂ غربت اور بے سروسامانی کی رُوح "ہجرت" نے فتح کیا تھا۔"[1]

---

[1] مضامین الہلال۔ ص ۹۴-۱۹۳